معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ

از

سیّدنا حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ

(نوٹ: یہ وہ مضمون ہے جسے امام جماعت احمدیہ نے اس کانفرنس میں بھیجنے کے لئے جو یکم و دو جون ۱۹۲۰ء کو الہ آباد میں منعقد ہوئی تحریر کیا اور جس میں بتایا گیا ہے کہ اس معاہدہ کی شرائط میں کیا نقص ہیں اور اس کے بد اثرات سے بچنے کے لئے مسلمانوں کو آئندہ کیا طریق اختیار کرنا چاہئے۔)

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هُوَ النَّاصِرُ

آج گیارہ رمضان المبارک مطابق ۳۰ مئی ۱۹۲۰ء کو مجھے جناب مولوی عبدالباری صاحب فرنگی محلی کی طرف سے ایک خط ملا ہے کہ یکم اور دو جون کو الہ آباد کے مقام پر ایک جلسہ مشورت منعقد ہوگا جس میں دولت عالیہ عثمانیہ کے ساتھ شرائط صلح کے مسئلہ پر غور کیا جاوے گا اور آئندہ کے لئے طریق عمل تجویز کیا جاوے گا اور اس میں اپنے خیالات بیان کرنے کے لئے مولانا نے مجھے بھی دعوت دی ہے۔

اگر میری شمولیت اس جلسہ میں کسی طرح بھی نفع رساں ہو سکتی اور مجھے اُمید ہوتی کہ میرا بذاتِ خود حاضر ہونا میرے اہلِ وطن اور میرے بھائیوں کے لئے کسی طرح بھی مفید ہو سکتا ہے تو میں سو کام چھوڑ کر بھی اس

اہم اور وسیع الاثر معاملہ میں اپنے خیالات ظاہر کرنے کے لئے حاضر ہو جاتا۔ مگر چونکہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ اس قسم کے جلسوں میں ایسے اشخاص کو جنہیں ذرہ بھر بھی اختلاف رائے ہو بولنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ اس لئے میرا بذاتِ خود آنا وقت کو ضائع کرنا ہے۔ مگر دوسری طرف چونکہ اپنے بھائیوں کی ہمدردی اور ان کی خیر خواہی اور خدمت اسلام کا جوش مجھے اس بات پر بھی مجبور کرتا ہے کہ کوئی سنے نہ سنے۔ مَیں اپنا مشورہ ان تک پہنچا دوں۔ میں اس تحریر کے ذریعہ اپنے خیالات سے اس موقع پر جمع ہونے والے احباب کو آگاہ کرتا ہوں اور چند معزز دوستوں کے ہاتھ اس تحریر کو ارسال کرتا ہوں کہ تا جن دوستوں کے دلوں پر خدا تعالیٰ کے فضل سے اس تحریر کا کوئی اثر ہو وہ زبانی بھی میرے قائمقاموں سے اس میں درج شدہ مسائل پر تبادلہ خیالات کر سکیں۔

اے احباب کرام! مَیں نے ستمبر گذشتہ کے اجتماع کے وقت تحریر کے ذریعہ سے آپ لوگوں کو توجہ دلائی تھی کہ دولت عالیہ عثمانیہ کے مستقبل کے متعلق جدوجہد کی بنیاد اس امر پر رکھنی چاہئے کہ سلطان ترکی کثیر حصہ مسلمانان کے نزدیک خلیفہ ہیں اور باقی تمام مسلمان بھی بوجہ ان کے اسلامی بادشاہ ہونے کے ان سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ اس لئے ان سے معاہدہ صلح کرتے وقت تمام عالم کے مسلمانوں کے جذبات کا خیال رکھا جاوے اور ان سے انہی اُصول کے ماتحت معاملہ کیا جاوے جس کے ماتحت دوسری مسیحی حکومتوں سے معاملہ کیا گیا ہے۔ اور مَیں نے بتایا تھا کہ اس طریق پر تمام وہ فرقے جو اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں قطع نظر اس کے کہ ان کا آپس میں کیسا ہی اختلاف ہو اس معاملہ میں اکٹھے ہو سکیں گے لیکن افسوس کہ اس وقت آپ لوگوں کو میرا وہ مشورہ پسند نہ آیا اور اس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ یورپ کو یہ بات کہنے کا موقع ملا کہ خلافت عثمانیہ کے متعلق مسلمانوں کی آواز ایک نہیں اور اس لئے یہ کہنا کہ ترکوں کے متعلق تمام مسلمانوں کی ایک رائے ہے درست نہیں۔

اگر میرا مشورہ اُس وقت تسلیم کیا جاتا تو احمدیہ جماعت کو خلافت کے مسئلہ کے متعلق اپنے خیالات کے اظہار کی کوئی ضرورت نہ پیش آتی۔ اور وہ ترکوں کے لئے انصاف کا جائز طور پر مطالبہ کرنے میں اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ شامل ہو سکتی تھی۔ اگر اُس وقت میرا مشورہ قبول کر لیا جاتا تو شیعہ اصحاب کو جو کروڑوں کی تعداد میں ہیں علی الاعلان اس تحریک سے اظہار برأت کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی اور وہ بھی دوسرے بھائیوں کے ہم زبان ہو کر اس مسئلہ کے متعلق اپنی ہمدردی کا اظہار کر سکتے تھے۔

اگر اُس وقت میرا مشورہ قبول کر لیا جاتا تو عربوں کو اس وقت جب کہ حالات زمانہ سے متاثر ہو کر وہ پھر حکومت ترکیہ سے صُلح کرنے پر آمادہ ہو رہے تھے اور ان کی ہمدردی کا جوش ان کے دلوں میں موجزن

تھا یہ اعلان نہ کرنا پڑتا کہ خلافت صرف قریش کے لئے مخصوص ہے اور وہ باوجود مخالفت کے ترکوں کی ہمدردی میں اپنی آواز بلند کر سکتے تھے کیونکہ پچھلے دنوں سے یورپ کی بعض حکومتوں سے ان کو بعض شکایات پیدا ہو گئی ہیں اور وہ ایک حد تک ترکوں سے صلح رکھنے پر تیار ہیں۔ اگر میرا مشورہ قبول کر لیا جاتا تو عرب کے وہابی فرقہ کو بھی کھلے طور پر اس مسئلہ میں دوسرے ممالک کے لوگوں کے ساتھ شریک ہونے میں کوئی اعتراض نہ ہوتا۔

اور اگر میرا مشورہ قبول کر لیا جاتا تو یورپ کے لوگوں کو اس بات پر ہنسی اُڑانے کا موقع نہ ملتا کہ مسلمان اپنے خلیفہ کی حفاظت کی اپیل عیسائی حکومتوں سے کرتے ہیں۔

اور اگر اس کام کو تکمیل پر پہنچانے کے متعلق جو بات میں نے لکھی تھی اس پر عمل کیا جاتا تو یقیناً شرائط صلح موجودہ شرائط سے مختلف ہوتیں۔ وفود کا بھیجا جانا اس قدر معرض التوا میں ڈالا گیا کہ عمل کا وقت ہاتھ سے جاتا رہا۔ امریکہ کی طرف کوئی وفد نہیں بھیجا گیا۔ عراق، شام، عرب اور قسطنطنیہ کی طرف وفد بھیجے جانے ضروری تھے مگر اس کا کچھ خیال نہیں کیا گیا۔ فرانس اور اٹلی کی طرف مستقل وفدوں کی ضرورت تھی مگر اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ جاپان بھی توجہ کا مستحق تھا اسے بھی نظر انداز کیا گیا۔ انگلستان کی طرف وفد گیا اور وہ بھی آخری وقت میں۔ ساری کوشش ہندوستان کی گورنمنٹ کو بُرا بھلا کہنے میں یا ان لوگوں کو گالیاں دینے میں صرف کر دی گئی جو گو ترکوں سے ہر طرح ہمدردی رکھتے تھے مگر سلطان المعظم کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ مگر کیا گالیاں دینے سے کام ہوتے ہیں؟ کام کام کرنے سے ہوتے ہیں۔

اے احباب کرام! آپ غور فرماویں کہ اسلام کو اس وقت کس چیز نے نقصان پہنچایا ہے۔ اسلام کو نقصان پہنچایا ہے مسلمانوں کی غیر متقیانہ حالت نے، بُزدلی نے، بداخلاقی نے، کم ہمتی نے، منافقت نے یہ چیزیں ہیں کہ جن کے دُور کرنے سے اسلام پھر ترقی کر سکتا ہے۔ مگر اس تکلیف کے ایام میں ان باتوں کی طرف کس قدر توجہ کی گئی ہے۔ آج مسلمان اس سے بہت زیادہ تعداد میں ہیں جس قدر کہ آج سے پانچ سو سال پہلے تھے۔ مگر وہ اس وقت فاتح تھے آج مفتوح ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس وقت ان میں مذکورہ بالا باتیں نہ تھیں مگر آج ہیں۔ پھر ان باتوں کے ترک کرنے اور اخلاق حسنہ کے حصول کے لئے کیا کوشش کی گئی ہے۔ کیا اس مصیبت اور تکلیف کے زمانہ میں انابت الی اللہ سے کام لیا گیا ہے میں دیکھتا ہوں کہ ایسے لوگوں نے جو شہرت اور عزت کے دلدادہ ہیں مسلمانوں کے اخلاق اور بھی بگاڑ دئے ہیں۔ اور بجائے ان میں خشیۃ اللہ پیدا کرنے کے ان کو اور بھی زیادہ شوخ بنا دیا ہے۔ آج چاروں طرف

مسلمانوں کی زبان پر گالیاں سنی جاتی ہیں وہ تالیاں بجاتے سیٹیاں مارتے اور اپنے مخالف خیالات والوں سے استہزاء کرنے کے لئے بندروں کی طرح ہزاروں قسم کی حرکات ناشائستہ کرتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے عظیم الشان خدمت اسلام کی ہے۔

اے نمائندگانِ اسلام! اس وقت جبکہ آپ نہایت سنجیدگی سے دولت عالیہ عثمانیہ کے مستقبل پر غور کرنے کے لئے بیٹھے ہیں اور آپ کے دلوں میں غم اور فکر کا ہجوم ہے۔ اس وقت ہندوستان کے مختلف گوشوں میں ناکردہ گناہ بچے اور بے قصور عورتیں اس شدت گرما میں اس قصور میں پیاسے تڑپ رہے ہیں کہ ان کے والدین یا شوہر کیوں سلطان المعظم کی خلافت کے قائل نہیں اور مسلمان کہنے والے لوگوں نے نہ معلوم کس کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اس پانی سے بھی ان کو روک دیا ہے جس سے خدا تعالیٰ کافر سے کافر انسان کو بھی نہیں روکتا۔ اب آپ سوچیں کہ کیا ان کی آہیں اور ان کی چیخ و پکار خدا تعالیٰ کے عرش کو ہلا کر اسی بات کی درخواست کر رہی ہو گی کہ ہم پر ظلم کرنے والوں کے کام میں برکت دے اور ان کی مرادوں کو پورا کر جبکہ کربلا اور نجف کے مقدس میدانوں کی حفاظت کا سوال پیدا ہو رہا ہے۔ خود ہندوستان میں اس قسم کے نمونے دکھائے جا رہے ہیں جو یزید اور اس کے ساتھیوں نے دکھائے محض اس اختلاف رائے پر کہ کیوں احمدی خلافت عثمانیہ کے قائل نہیں۔ ان کو پانی سے روکا جاتا ہے، ان کو خرید و فروخت سے باز رکھا جاتا ہے۔ ان کے گھروں میں کام کرنے سے مہتروں کو باز رکھا جاتا ہے اور ان پر نماز ادا کرتے وقت کنکروں کی بارش کی جاتی ہے۔ کیا اس تنگی کے وقت میں اسی قسم کی انابت سے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل کو اپنی طرف کھینچنے کی سعی کرنی چاہئے تھی۔ اور کیا اگر ان کے اس ظلم سے تنگ آکر احمدی منافقت سے ان کے ہم خیال ہو جاویں (کیونکہ جبر سے دلوں کو تسلی نہیں ملا کرتی) تو کیا ایسے منافقوں کی امداد سے مسلمان کامیاب ہو جاویں گے۔ یہ وقت تو ایسا تھا کہ مسلمانوں میں جرأت اور دلیری پیدا کی جاتی اور ان کو دلیر بنایا جاتا نہ کہ منافقت پر ان کو مجبور کیا جاتا۔ کیا ان جاہلوں کو کوئی اس قدر سمجھانے والا نہیں ہے کہ جو لوگ ان سے ڈر کر اپنے صحیح خیالات کو چھوڑ دیں گے وہ ان سے زیادہ طاقتور لوگوں کے دباؤ سے کیا موقع ملنے پر ان کے مخالف نہ بن جاویں گے؟

غرض مجھے افسوس ہے کہ اس کرب و اندوہ کے زمانہ میں وہ صحیح رویہ اختیار نہیں کیا گیا جس سے کامیابی کی امید ہو سکتی تھی۔ لیکن اب جبکہ پھر آپ لوگ دوبارہ اس اہم مسئلہ پر غور کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں تو میں اخلاص اور محبت سے آپ کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں شاید کسی سچے خیر خواہِ اسلام کے دل پر میری بات اثر کرے اور وہ خدمت اسلام کے لئے کمر ہمت باندھ کر کھڑا ہو جاوے۔

سب سے پہلا سوال شرائط صلح کے متعلق یہ ہے کہ آیا یہ درست ہیں اور مطابق انصاف ہیں۔ اس سوال کے متعلق میرے نزدیک اب ہم کو زیادہ غور و فکر نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس سوال کا حل ہمیں کچھ نفع نہیں دے سکتا مگر پھر بھی آئندہ نسلوں کو اپنے خیالات سے آگاہ کرنے کے لئے اور ان شرائط کے تیار کرنے والوں کو اپنی رائے سے واقف کرنے کے لئے میں اپنی رائے ان مختصر الفاظ میں ظاہر کر دیتا ہے کہ ترکوں کے متعلق شرائط صلح کا فیصلہ کرتے وقت ان اصول کی پابندی نہیں کی گئی جن کی پابندی یورپ کے مدبّر انصاف کے لئے ضروری قرار دے چکے ہیں۔

عراق کی آبادی کو ایسے طور پر اپنی رائے کے اظہار کا موقع نہیں دیا گیا جیسا کہ جرمن کے بعض حصوں کو۔ ان سے باقاعدہ طور پر دریافت نہیں کیا گیا کہ وہ اپنے لئے کس حکومت یا کس طریق حکومت کو پسند کرتے ہیں۔ شام کی آبادی کو باوجود اس کے صاف صاف کہہ دینے کے کہ وہ آزاد رہنا چاہتی ہے فرانس کے زیر اقتدار کر دیا گیا۔ فلسطین کو جس کی آبادی کا ۴/۳ حصہ مسلمان ہے ایک یہودی نوآبادی قرار دے دیا گیا حالانکہ یہود کی آبادی اس علاقہ میں ۴/۱ کے قریب ہے اور یہ آبادی بھی جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے ۱۸۷۸ء سے ہوئی ہے اور "زیادہ تر ان پناہ گیروں کی ہے جنہوں نے ان ممالک سے آکر یہاں پناہ لی ہے جن میں یہودیوں پر ظلم کرنا سیاست کا ایک بڑا جزو قرار دیا گیا ہے" (یعنی روس وغیرہ۔)

CONSISTING PRINCIPALLY OF REFUGEES
FROM COUNTERIES WHERE ANTI-SEMITISM
IS AN IMPORTANT ELEMENT IN POLITICS. (انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا)

پس ایسے علاقہ سے ترکوں کو دست بردار کرانا اور یہود کے سپرد کر دینا جس میں کثیر حصہ آبادی مسلمان ہے اور جو یہود کے لئے ایک ہی جائے پناہ تھی کیا اس جرم کے سبب سے ہے کہ انہوں نے کیوں یہود کو اس وقت پناہ دی جبکہ مسیحی حکومتیں ان کو اپنے گھروں اور اپنی جائیدادوں سے بے دخل کر رہی تھیں؟

یہی حال لبنان کا ہے۔ اس کو فرانس کے زیر اقتدار دینا بالکل کوئی سبب نہیں رکھتا۔ اور آرمینیا کا آزاد کرنا بھی بے سبب ہے کیونکہ آرمینیا کا جائے وقوع ایسے علاقہ میں ہے جس کے چاروں طرف ترک آباد ہیں اور ان کی الگ حکومت بنانے سے یہ مطلب ہے کہ ترک قوم آپس میں اتحاد نہ کر سکے۔ اور روسی ترکستان کے لوگ کسی وقت بھی ایشیائے کوچک کے ترکوں سے مل نہ سکیں پھر آرمینیا کو جو بہت سے علاقے دیئے گئے ہیں۔ ان میں کثیر حصہ آبادی کا مسلمان ہیں اور ایسی بعض ولایات کے دینے کی تجویز ہے

جہاں کی آبادی قریب قریب ساری مسلمان ہے حالانکہ یہ بات ثابت ہے کہ آرمینین مسیحیوں نے نہایت بے دردی سے مسلمانوں کو قتل کیا ہے اور خود وزیر انگلستان اس بات کا انکار نہیں کر سکے کہ آرمینین مسیحیوں نے بھی مسلمانوں پر سخت سے سخت مظالم کئے ہیں۔ پس اگر ترکوں کو اس جرم میں اس علاقہ کی حکومت سے بے دخل کیا جاتا ہے کہ وہ کردوں کو آرمینین مسیحیوں پر ظلم کرنے سے کیوں نہیں روک سکے۔ تو آرمینین مسیحیوں کو جو خود مسلمانوں کو قتل کرنے کے جُرم کے مرتکب ہیں مسلمانوں پر کیوں حکومت دے دی گئی ہے اور اگر کوئی ایسے قواعد بنا دیئے گئے ہیں کہ جن کے ماتحت آرمینین مسیحی مسلمانوں پر ظلم نہیں کر سکیں گے تو کیوں ان ہی قواعد کے ماتحت آرمینیا کو ترکوں کے ماتحت نہیں رکھا گیا تا مسلمان مسیحیوں پر ظلم نہ کر سکیں۔

اسی طرح سمرنا[1] کو یونان کے حوالے کرنا بھی خلاف انصاف ہے کیونکہ کسی ملک کے صرف ایک شہر میں کسی قوم کی کثرت آبادی اسے اس شہر کی حکومت کا حق دار نہیں بنا دیتی اور یہ اُصول کبھی بھی سیاست میں تسلیم نہیں کیا گیا اور اس کا نتیجہ سوائے فساد کے کچھ نہیں نکلے گا اور یقیناً چند سال بعد یونانی اس علاقہ میں فتنہ اندازی کر کے اور علاقہ بڑھانے کی فکر کریں گے۔

تھریس[2] جو ترکوں سے لے کر یونان کو دیا گیا ہے اس کا سبب بھی معلوم نہیں ہوتا۔ خود وزیر اعظم مسٹر لائڈ جارج اس بات کا اقرار کر چکے ہیں کہ وہاں کی آبادی کا کثیر حصہ ترک ہے پھر اس ملک کو یونان کے سپرد کر دینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے اور اگر مسٹر لائڈ جارج کے بعد کے بیان کو بھی کہ وہاں کی اکثر آبادی غیر ترک ہے مان لیا جاوے تو بھی اس میں کوئی شک نہیں کہ اس علاقہ کا نہایت کثیر حصہ مسلمان ہے پس اگر اس وجہ سے کہ وہاں کی اکثر آبادی ترک نہیں اس علاقہ کو ترکوں کے سُپرد نہیں کیا جا سکتا تھا تو یونان کو تو کسی طرح اس علاقہ پر حق حکومت نہ تھا۔ اس صورت میں یہاں آزاد حکومت قائم کر دی جاتی یونانیوں کو اس علاقہ کے سُپرد کر دینے کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ وہ حسب عادت تھوڑے ہی عرصہ میں خفیہ اور ظاہر تدابیر سے وہاں کے لوگوں کو یا مسیحی ہونے پر مجبور کریں گے یا ان پر سخت ظلم کر کے ان کو ان علاقوں سے نکال دیں گے۔

غرض میرے نزدیک اس معاہدہ کی کئی شرائط میں حقوق کا اتلاف ہؤا ہے اس لئے جسقدر جلد یورپ اس میں تبدیلی کرے اسی قدر یہ بات اس کی شہرت اور اس کے اچھے نام کے قیام کا موجب ہوگی لیکن سوال ہے کہ اگر اتحادی حکومتیں ان شرائط کو بدلنے سے انکار کریں تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے اور میرے نزدیک یہی اہم سوال ہے کیونکہ جہاں تک مَیں سمجھتا ہوں اتحادی ان شرائط کو نرم نہیں کریں گے۔

[1] SAMARINA

[2] ATHERAS

اس سوال کے جواب میں کہ اگر اتحادی اس معاہدہ کو نرم نہ کریں تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے ۔ مختلف آراء پیش کی گئی ہیں بعض نے ہجرت کی تجویز پیش کی ہے ، بعض نے جہاد عام کو پسند کیا ہے ، بعض نے قطع تعلقی کی پالیسی کو سراہا ہے ۔ مگر میرے نزدیک ان سب تجاویز میں سے ایک تجویز بھی درست نہیں اور ناقابل عمل ہے ۔

ہندوستان کی سات کروڑ آبادی ہندوستان کو چھوڑ کر باہر نہیں جاسکتی اور نہ اس کے باہر جانے کی کوئی غرض اور فائدہ ہے ۔ ہجرت اس وقت ضروری ہوتی ہے جبکہ اس علاقہ میں جہاں کوئی شخص رہتا ہے اس کو ان احکام شرعیہ کے بجالانے کی آزادی نہ ہو جو افراد جماعت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو افراد مسلمانان سے تعلق رکھتا ہو اور جس کا بجالانا اس ملک میں ناممکن ہو ۔ اور پھر عملی پہلو اس تجویز کا لیا جاوے تو بھی اس پر عمل نہیں ہو سکتا ۔ کس قدر آدمی ہیں جو اس تجویز پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں گے ۔ پس علاوہ اس کے کہ یہ تجویز شریعت کے خلاف ہو گی اس کو پیش کر کے سوائے اپنی سُبکی کرانے اور لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہونے کے اور کوئی نتیجہ نہ نکلے گا ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ جو اس تحریک کو پیش کرنے والے ہیں وہ خود بھی اس تحریک پر عمل پیرا نہیں ہوئے ۔

دوسری تجویز جہاد کی ہے ۔ جہاد اس ملک میں رہ کر جائز نہیں اس ملک میں رہنے کے یہ معنے ہیں کہ ہم برطانیہ کی حکومت کو تسلیم کرتے ہیں اور ہمارا اس ملک میں رہنا بھی ایک عملی معاہدہ ہے جو ہم حکومت برطانیہ سے کرتے ہیں پس اس ملک میں رہتے ہوئے کسی طرح بھی گورنمنٹ کا مقابلہ کرنا ایک سخت غداری ہوگی اور غداری اسلام میں جائز نہیں ۔ ہمیں سب سے زیادہ اپنا مذہب عزیز ہونا چاہئے ۔ اگر ہم تمام دُنیا کی حکومت کے لئے بھی اپنا مذہب قربان کر دیتے ہیں تو ہم گھاٹے میں رہیں گے پس حکومت برطانیہ کے زیر سایہ رہتے ہوئے اس کی حفاظت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرنا یا اس کے متعلق تدابیر سوچنا ایک مسلمان کے لئے جو اپنے مذہب کی کچھ بھی قدر کرتا ہے ناجائز ہے اور اسلام کی عظمت کرنے والا مسلم اس تجویز پر بھی عمل نہیں کر سکتا ۔

اگر کہا جاوے کہ باہر جا کر جہاد کریں تو اول تو اس سوال کیساتھ پھر ہجرت کا سوال آجاوے گا جسے میں پہلے ناجائز اور ناممکن ثابت کر چکا ہوں ۔ دوم جہاد کے لئے یہ شرط ہے کہ اس حکومت سے کیا جاوے جو اسلام کے مٹانے کے لئے مسلمانوں پر حملہ کرتی ہے اور ترکوں سے جنگ کرنے میں اتحادیوں نے ابتداءً نہیں کی نہ اس جنگ کی وجہ اسلام کو مٹانا تھی ۔ پس جب تک یہ ثابت نہ کیا جاوے کہ اس جنگ کی ابتداء اتحادیوں کی

طرف سے ہوئی ہے۔ اور پھر یہ بھی کہ اتحادیوں نے ترکوں سے اس لئے جنگ کی تھی کہ وہ ان کو جبراً مسیحی بنالیں جہاد ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے جو برطانیہ کی حکومت کے نیچے رہتے ہیں جائز نہیں ہو سکتا۔
تیسری تجویز یہ ہے کہ گورنمنٹ سے قطع تعلق کیا جاوے اس تجویز کے متعلق بھی میری یہ رائے ہے کہ قطع تعلق بھی ایک قسم مقابلہ کی ہے۔ اور اس پالیسی پر عمل کر کے بھی ہندوستان میں امن قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ ضرور ہے کہ جو لوگ اپنے کاموں سے علیحدہ ہوں آہستہ آہستہ ان کی ضروریات دنیاوی ان کو تنگ کریں اور وہ مجبور ہو کر ناجائز ذرائع اور جبر سے اپنے گزارے کا سامان پیدا کریں۔ پھر پیشتر اس کے کہ اس تجویز پر عمل کیا جاوے یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اس تجویز کی غرض کیا ہے۔ میرے نزدیک اس کی ایک ہی غرض ہو سکتی ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ پر اس ذریعہ سے دباؤ ڈالا جاوے اور اس غلطی کی اصلاح کروائی جاوے جو ترکوں کے معاہدہ صلح میں ہوئی ہے سو اوّل تو اگر اس قطع تعلق کا کوئی اثر ہو بھی تو وہ صرف ہندوستان پر ہوگا اور ہوگا بھی سالہا سال کے بعد۔ کیونکہ اگر یہ مان بھی لیا جاوے کہ سب مسلمان اس بات پر آمادہ ہو جاویں گے تو بھی اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کو اس کام کے لئے آمادہ کرنے کے لئے سالہا سال کی جدوجہد اور تلقین کی ضرورت ہوگی۔ اور اس وقت تک کہ یہ تجویز عملی جامہ پہنے گی معاہدہ ترکیہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہو چکا ہوگا۔ اور اس وقت اگر گورنمنٹ برطانیہ کی مرضی بھی ہوگی تب بھی وہ فرانس اور یونان اور آرمینیا کو اپنے اپنے حصہ سے علیحدہ نہیں کر سکے گی۔ دوم اس بات کو بھی مدِنظر رکھنا چاہئے کہ اگر سب مسلمان اس تجویز پر عمل کرنے لگیں تب بھی وہ گورنمنٹ پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتے۔ کیونکہ اس ملک کی آبادی کی صرف چوتھا حصہ مسلمان ہے ¾ ہندو ہیں اور قریباً چالیس لاکھ مسیحی ہیں۔ پس اگر گورنمنٹ کو اس کے خطاب واپس کر دیئے جاویں تو اس سے اس کا کوئی نقصان نہیں۔ اور اگر اس کی ملازمت سے علیحدگی کی جاوے تو ہندوستان کی ¾ آبادی ان کی جگہیں پُر کرنے کے لئے تیار ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض ہندو سربرآوردہ اس وقت مسلمانوں کے ساتھ شریک ہونے کے لئے آمادہ ہیں۔ لیکن اس تجویز کی مخالفت ہندوؤں میں بہت زیادہ ہے اور یقیناً پانچ فیصدی ہندو بھی مسلمانوں کا ساتھ نہ دیں گے۔ اگر مسلمان وکلاء اپنا کام چھوڑ دیں گے تو خود مسلمان اپنی دادرسی کے لئے ہندو وکلاء کی خدمات کو حاصل کریں گے اور وہ شوق سے ان کے مقدمات لیں گے اور اگر مسلمان جج استعفاء دے دیں گے تو ہندو اُمیدوار فوراً ان کی جگہ لینے کے لئے آگے بڑھیں گے۔ اگر فوجی مسلمان استعفاء دے دیں گے تو علاوہ اس کے کہ وہ فوجی قواعد کی خلاف ورزی کر کے سزا پاویں گے ان کا مستعفی ہو

جانا ایسا مؤثر نہ ہوگا کیونکہ ہندو قوم اب فوجی خدمات کی اہمیت سے کافی طور پر واقف ہو چکی ہے اور وہ اپنے قدیم ملک کو بلا حفاظت چھوڑنے پر کبھی رضامند نہ ہوگی۔ غرض ہر ملازمت کے لئے دوسری اقوام کے لوگ نہ صرف مل جاویں گے بلکہ شوق سے آگے بڑھیں گے۔ کیونکہ ملازمت تلاش کرنے والوں کی ہمارے ملک میں کمی نہیں ہے ایسے لوگ مسلمانوں کے اس فیصلہ کو ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھیں گے اور ان کی بیوقوفی پر دل ہی دل میں ہنسیں گے۔ پس سوائے اس کے کہ اس فیصلہ سے لاکھوں مسلمان اپنی روزی سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور تعلیم سے محروم ہو جاویں اور اپنے حقوق کو جو بوجہ مسلمانوں کے سرکاری ملازمتوں میں کم ہونے کے پہلے ہی تلف ہو رہے ہیں اور زیادہ خطرہ میں ڈال دیں اور کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔

مَیں اس جگہ یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میری اس تحریر کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہندوؤں کے لیڈر جان بوجھ کر مسلمانوں کو اس کام پر آمادہ کر رہے ہیں تا وہ ان کے لئے میدان خالی چھوڑ دیں۔ مَیں ان لیڈروں کو جو اس امر میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں دیانت دار سمجھتا ہوں۔ اور جو کچھ مَیں کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہندوؤں کا کثیر حصہ اس تجویز میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہے اور علاوہ اس تجویز کے بذاتہٖ غلط ہونے کے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جب تک تمام ملک اس بات پر کاربند ہونے کے لئے تیار نہ ہوگا کبھی بھی اس تجویز کا مفید نتیجہ نہیں نکلے گا۔ اگر ہندو بھی ساتھ مل جاویں تب بھی ہندوستان کی ملکی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے یورپین اور کرسچن کافی ہیں۔ اور فوجی ضروریات کو یوروپین فوج کے علاوہ سکھ اور گورکھے پورا کر سکتے ہیں۔ اور یہ قومیں ہرگز اس تجویز میں مسلمانوں کا ساتھ نہ دیں گی۔ پس اگر یہ تجویز فساد کا موجب نہ بھی ہو جو میرے نزدیک یقیناً ہوگی۔ اور اگر تمام کے تمام مسلمان اس پر کاربند ہونے کے لئے تیار بھی ہو جاویں جو یقیناً نہ ہوں گے تو بھی اس تجویز پر عمل کر کے حکومتِ برطانیہ پر دباؤ ڈالنے کی اُمید رکھنا ایک امر موہوم ہی نہیں بلکہ یقینی طور پر غلط ہے اور اس کے مقابلہ میں یہ بات یقینی ہے کہ اس تجویز پر عمل کر کے مسلمانوں کی رہی سہی طاقت بھی بالکل ٹوٹ جاوے گی اور اس ایک ملک میں بھی جس میں مسلمانوں کی ظاہری حالت کسی قدر اچھی نظر آتی ہے وہ کمزور اور ناطاقت ہو جاویں گے اور اس سب تباہی کا الزام ان کے اپنے سر ہوگا۔

غرض میرے نزدیک اس وقت تک جس قدر تجاویز پیش کی گئی ہیں وہ یا تو شریعت کے خلاف ہیں یا ناقابلِ عمل۔ اور میرے نزدیک مسلمانوں کا فائدہ اسی میں ہے اور اس زمانہ کے حالات کو مدِّنظر رکھ کر مسلمانوں کے لئے صرف یہی راہ کھلی ہے کہ وہ متفق اللسان ہو کر یہ بات اتحادی حکومتوں کے

گوش گزار کر دیں کہ انہوں نے ترکوں سے شرائط صلح خود اپنے تجویز کردہ قواعد کے خلاف بنائی ہیں اور یہ کہ مسلمان ان کے اندر مسیحیت کے تعصب کا ہاتھ پوشیدہ دیکھتے ہیں اور کیپٹیلٹس کے فوائد کی نگہداشت ان میں مدِ نظر رکھی گئی ہے۔ اور وہ ان سے ان کے اس فیصلہ کو تبدیل کرنے کے لئے اپیل کرتے ہیں۔ اور اگر وہ اس فیصلہ کو تبدیل نہ کریں تو اس فیصلہ کی اپیل وہ ان کی آئندہ نسلوں کی کانشنسوں سے کرتے ہوئے اور اپنے مذہب کے احکام کے ماتحت ہر قسم کے فساد اور شورش سے اجتناب کرتے ہوئے اس امر کے فیصلہ کو خدا پر چھوڑ دیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نہ ان تجاویز پر عمل کر کے جو اس وقت تک پیش کی جا چکی ہیں اور نہ اس تجویز پر عمل کر کے جو اس وقت مَیں نے پیش کی ہے ان شرائط میں تبدیلی کرائی جا سکتی ہے جو اتحادیوں نے مقرر کی ہیں۔ لیکن اگر مسلمان اس تجویز پر عمل کریں گے جو مَیں نے بتائی ہے۔ تو یقیناً چند سال کے بعد خود وہی لوگ جو اس وقت اس فیصلہ پر خوش ہیں ورنہ ان کی اولادیں ضرور ان شرائط کو پڑھ کر شرم سے اپنی گردنیں نیچے جھکا لیں گی۔ اور جس طرح اور بہت سے تاریخی معاملات میں خود اولادوں نے اپنے آباء کے فیصلوں کو حقارت اور نفرت سے دیکھا ہے اس فیصلہ کو اتحادیوں کی آئندہ نسلیں افسوس اور حیرت کی نگاہ سے دیکھیں گی۔ لیکن اگر اس کے برخلاف شورش و فساد سے کام لیا گیا تو دلائل کا پہلو اِن شرائط کو طے کرنے والوں کے حق میں بھاری ہو جاوے گا۔ اور خود مسلمانوں کی آئندہ نسلیں مسلمانوں کے اس طریق عمل کے بیان سے شرمائیں گی اور شورش پھیلانے والا رویہ بجائے مفید ہونے کے ان شرائط کی کمزوری پر پردہ ڈال کر دُنیا کی نظروں کو اور طرف پھیر دے گا۔

مگر میرا مشورہ اس حد تک محدود نہیں۔ جو لوگ کسی فیصل شدہ امر کو جو اُن کے فوائد کے لئے مضر ہو اسی جگہ چھوڑ دیتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ مسلمان تو وہ ہے جو خدا تعالیٰ سے بھی اس کے فیصلہ کو تبدیل کروا لیتا ہے اور گریہ وزاری اور دُعاؤں سے اس کے رحم کو جذب کر لیتا ہے۔ پس مَیں صرف اسی کارروائی کا مشورہ نہ دوں گا بلکہ اس کے علاوہ میرے نزدیک مسلمانوں کو آئندہ کے لئے ایک عملی پروگرام بھی بنانا چاہئے۔

سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اس معاہدہ کی پابندی کا اثر اسلام پر کیا پڑے گا۔ اس سوال کا جواب دیتے وقت ایک چیز نمایاں طور پر ہمارے سامنے آجاتی ہے اور وہ ان علاقوں کی نگہداشت ہے جن میں مسلمان بستے ہیں اور جنہیں یونان اور آرمینیا کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ یونانیوں اور آرمینیوں کا تعصّب اسلام سے اس قدر بڑھا ہؤا ہے کہ اس کے ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں جو

کچھ ان دونوں قوموں نے پچھلے دنوں میں مسلمانوں سے کیا ہے اس کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ ان کی حکومت میں باوجود یورپ کی تمام تسلیوں کے مسلمانوں کو امن نہ ہوگا اسی طرح یورپ کے نئے تغیرات کے ماتحت اور کئی علاقوں میں بھی مسلمانوں کو امن نہ ہوگا پس اس خطرہ سے ان ممالک کے بھائیوں کو بچانے کے لئے فوراً بلا تاخیر ایک عالم گیر لجنہ اسلامیہ قائم ہو جانی چاہئے۔ جس کا کام یہ ہو کہ تمام دُنیا کے مسلمانوں کی مذہبی حالت کی اطلاع رکھے اور اس بات کی خبر رکھے کہ دنیا کے کسی علاقہ میں مسلمانوں کو ظاہر و مخفی ذرائع سے اپنے مذہب کو تبدیل کرنے یا بصورت دیگر ہلاک ہو جانے پر تو مجبور نہیں کیا جاتا۔ اور اس غرض کے لئے دُنیا کے تمام ممالک میں ایسے مبلغ بھیجنے چاہئیں جو ہر جگہ کے مسلمانوں کو اپنے مذہب پر ثابت قدمی سے پابند رہنے کی تلقین کریں اور اس بات کا خیال رکھیں کہ کسی جگہ کے مسلمانوں کو جبراً تو اسلام سے نہیں ہٹایا جاتا۔ خواہ وہ جبر ظاہری اسباب سے ہو خواہ مخفی اسباب سے وہ اس کی جستجو رکھیں اور جس وقت کوئی ایسی بات معلوم ہو فوراً مرکز کو اس کی اطلاع دیں تاکہ تمام متمدن دُنیا کو اُس سے اطلاع دی جاوے۔ کیونکہ ظالم گو کس قدر بھی طاقتور ہو جب اسے معلوم ہو کہ میرا ظلم دیکھنے والے موجود ہیں تو اسے بہت کچھ دبنا پڑتا ہے اور اپنے نام کا خیال رکھنا پڑتا ہے اس صورت میں بغیر کسی طاقت کے استعمال کے ان غریب مسلمانوں کے مذہب کی نگہداشت ہو سکے گی جو متعصب حکومتوں کے زیر حکومت رہتے ہیں اور دنیا کو بھی ان خفیہ ریشہ دوانیوں سے آگاہی ہوتی رہے گی جو اسلام کے مٹانے کے لئے بعض حکومتیں کر رہی ہیں اور زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا کہ یورپ کی نظروں میں مسلم ظالم، مسلم مظلوم ثابت ہو جاوے گا۔

یہ تجویز ایک نہایت اہم تجویز ہے اور گو میں بالتفصیل اس کے متعلق اس وقت اور اس جگہ نہیں لکھ سکا لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ ہر ایک شخص جو سنجیدگی سے اس پر غور کرے گا اس کی اہمیت کو محسوس کرلیگا اور اس کے وسیع اثرات کا اندازہ لگانے کے قابل ہو جاوے گا۔

میں اس جگہ یہ بھی اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ مَیں نے بغیر اس امر کا انتظار کئے کہ دوسرے لوگ اس امر کے متعلق کیا فیصلہ کرتے ہیں اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کر دی ہے اور مختلف ممالک میں دو دو آدمی اس غرض کے لئے بھیجنے کی تجویز کر دی ہے اور میری جماعت کے جانبازوں کی ایک جماعت نے اپنے آپ کو اس غرض کے لئے وقف بھی کیا ہے جو عنقریب سہولت راہ میسر آنے پر اپنے اپنے مفوضہ علاقہ میں چلی جاوے گی۔

دوسری بات ہمیں یہ سوچنی چاہئے کہ اسلام پر اس قدر مصائب کی وجہ کیا ہے؟ آخر کیا سبب ہے،

کہ خدا تعالیٰ نے اسلام کی دوستی کی بجائے اس سے دشمنی شروع کر دی ہے۔ وہ خدا جو پہلے اسلام کے لئے اپنے قہری نشان ظاہر کیا کرتا تھا۔ اب کیوں اس کے لئے اپنی قدرت کے کرشمے ظاہر نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے تعلیم قرآن کو بُھلا دیا ہے اس لئے ان پر یہ آفت آئی ہے انہوں نے خود حضرت مسیح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دے رکھی ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے بھی مسیحیوں کو ان پر فضیلت دے دی۔ پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ بجائے اپنے اوقات کو بے فائدہ ضائع کرنے کے خدا تعالیٰ سے صُلح کرو اور اس کے فضل کی تلاش کرو اور پھر یاد رکھو کہ جیسا کہ میں نے ستمبر گذشتہ کے اجتماع کے موقع پر تحریر کیا تھا اس وقت اسلام کی ترقی کے لئے ایک ہی راہ کُھلی ہے کہ ہم تبلیغ اسلام کے لئے کھڑے ہو جاویں۔ یورپ کو ترکوں سے نفرت جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں ان کی کسی بدانتظامی کی وجہ سے نہیں بلکہ درحقیقت اس کی وجہ یورپ کا یہ خیال ہے کہ اسلام تہذیب کا دشمن ہے اور وہ اس کو اپنی دُنیا کا دشمن سمجھ کر جو ان کو بہت عزیز ہے مٹانا چاہتے ہیں۔ پس جب تک یورپ کے دل سے بلکہ تمام مسیحی دُنیا کے دل سے یہ خیال دُور نہ کیا جاوے گا اس وقت تک ہرگز مسلمانوں کے مصائب دُور نہیں ہو سکتے۔ درحقیقت یہ ذلت جو اس وقت مسلمانوں کو پہنچ رہی ہے اس قدر زمینی نہیں جس قدر کہ آسمانی ہے قرآنِ کریم کے صریح احکام کو پس پشت ڈال کر مسلمان اس ذلت کو پہنچے ہیں اور اب وہ اسی صورت میں اس سے نکل سکتے ہیں کہ جب پچھلی غفلتوں کا کفّارہ دیں اور اپنے نفسوں کی اصلاح کر کے اس امانت کو پہنچائیں جو سب دُنیا کو پہنچانے کے لئے ان کے سُپرد کی گئی تھی۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کا فرض مقرر کیا تھا کہ وہ اسلام کو دُنیا کے سب کناروں تک پہنچاویں۔ لیکن انہوں نے اس فرض کو اس طرح پسِ پشت ڈال دیا کہ گویا ایک تنکے کے برابر بھی ان کو اس کی پروا نہیں تب خدا تعالیٰ نے ان کو بتا دیا کہ اس فرض کو پورا کرنا خود ان کے لئے مفید تھا نہ کہ خدا تعالیٰ کے لئے۔ اگر اسلام کو کوئی بھی نہ مانے۔ تب بھی اللہ تعالیٰ کی خدائی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اگر کچھ فرق آتا ہے تو مسلم کے ایمان میں اور اس کے امن میں۔ پس اب بھی ان مصائب سے بچنے کا یہی علاج ہے کہ دینِ اسلام کے غلبہ کے لئے مسلمان کھڑے ہو جاویں۔ حکومتیں اسلام سے پہلے نہیں آئیں بلکہ بعد میں آئی ہیں۔ اب اگر اسلام قائم ہو جاوے حکومتیں خود بخود چلی آئیں گی۔ خوب یاد رکھو کہ مذہبی اتحاد سب سے مضبوط اتحاد ہے۔ جب دُنیا کی قومیں اسلام کو قبول کر لیں گی تو کیا چیز ہے جو ان کو اسلام کے آثار کے مٹانے پر مائل کرے گی۔ وہ تو اسلامی آثار کے قیام کے لئے خود بے قرار ہوں گی۔ پس کیوں اس جماعت کو جو اسلام کو مٹانے کے درپے ہے اسلام کے حلقہ بگوشوں میں داخل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ کیا اس

لئے کہ آپ لوگوں کو خود اسلام کی خوبیوں پر یقین نہیں اور اس کی قوتِ جذب کا تجربہ نہیں۔ اگر ایسا ہے تو یورپ پر اسلام کی دشمنی کا کیا شکوہ ہے جب خود مسلمانوں کو اس کی خوبیوں پر یقین نہ ہو تو دشمن اس کے حسن کا دلدادہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ یقین مانو کہ اسلام اپنے اندر بہت بڑی قوتِ جاذبہ رکھتا ہے اور خدا تعالیٰ فیصلہ بھی کر چکا ہے کہ اسے دُنیا میں پھیلا دے اور اس نے اس کے لئے اپنے مامور کو بھیج بھی دیا ہے۔ اب مایوسی کا وقت نہیں۔ کیونکہ مایوسی گو ہمیشہ ہی بُری ہوتی ہے مگر اُمید کا سورج جب چڑھ آتا ہے تو تب اس سے زیادہ مکروہ کوئی چیز نہیں ہوتی پس اُٹھو اور اپنے جوشوں کے پانی کو یونہی زمین پر بہنے دینے کی بجائے تبلیغ اسلام کی نہر کے اندر محدود کر دو تا ان کا کوئی فائدہ ہو اور ان سے کام لیا جا سکے۔ پانی جب سطحِ زمین پر بہہ جاتا ہے تو اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ لیکن وہی پانی جب نہر کی شکل میں بند کر دیا جاتا ہے تو اس سے ہزاروں ایکٹر زمین سیراب کی جا سکتی ہے اور آبشاریں بنا کر اس سے بجلی نکالی جا سکتی ہے۔ پس اے احبابِ کرام! ملک کے جوش کو بیہودہ طور پر ضائع نہ ہونے دو۔ بلکہ اس سے اسلام کی ترقی کے لئے کام لو اور پھر دیکھو کہ خدا تعالیٰ کی نصرت کس طرح نازل ہوتی اور اسلام کے جلال کو دُنیا پر ظاہر کرتی ہے۔ میری جماعت اس کام کو پہلے سے کر رہی ہے اور اس کام کے لئے آدمی مہیا کر سکتی ہے۔ پس اگر آپ لوگوں میں سے کوئی اسلام کے خیر خواہ ہوں تو اس کام کے لئے بڑھیں کہ اس سے زیادہ متبرک کام اس وقت کوئی نہیں۔ اور یہی سچی اسلامی ہمدردی ہے۔ ورنہ جلسے کرنا اور ریزولیوشن پاس کرنا کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا۔

اسلام خدا کا بھیجا ہوا دین ہے اور قرآن اس کے منہ کا کلام ہے۔ پس یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ کمزور انسان اس کو مٹا سکے۔ خصوصاً وہ انسان جو ایک کمزور انسان کو خدا مان کر اس کے آگے سجدہ کرتا ہے۔ درحقیقت یہ سب وبال مسلمانوں کے اسلام کو پرے پھینک دینے کا ہے۔ اور افسوس ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ اب بھی وہ اس کی طرف متوجہ نظر نہیں آتے۔ کاش اب بھی مسلمان اس طرف متوجہ ہوں اور ان انعامات میں شریک ہو جاویں جو خدا تعالیٰ خادمانِ اسلام کو دینا چاہتا ہے۔ درحقیقت وہ اسی امر کا منتظر ہے کہ کس قدر مسلمان اس خدمت میں شامل ہو کر اس کی رضا کو حاصل کرتے ہیں۔ ورنہ اسلام کی ترقی کا وقت آچکا ہے اور خواہ ساری دُنیا مل کر اسلام کو مٹانا چاہے نہیں مٹا سکتی۔ یہ آخری صدمہ واقع میں آخری صدمہ ہے۔ اب اسلام کے بڑھنے کے دن شروع ہوتے ہیں۔ اور اب ہم دیکھیں گے کہ مسیحی کیونکر اس کی بڑھتی ہوئی رو کو روکتے ہیں۔ خدا کی غیرت اس

کے مامور کے ذریعہ سے ظاہر ہو چکی ہے اور اب سب دُنیا دیکھ لے گی کہ آئندہ اسلام مسیحیت کو کھانا شروع کر دے گا اور دُنیا کا آئندہ مذہب وہی مذہب ہوگا جو اس وقت سب سے کمزور مذہب سمجھا جاتا ہے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خاکسار مرزا محمود احمد

امام جماعت احمدیہ قادیان دارالامان

۳۰ رمئی ۱۹۲۰ء